فقہ السیرۃ والسنۃ

دورِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

تحریر: حافظ محمد سعد اللہ، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور

نحمد ونصلی ونسلم علیٰ رسوله الرؤف الرحیم الکریم امابعد!

امت مسلمہ کی نا اتفاقی، عملی اعتبار سے نظام اسلام سے دوری، تمام وسائل ہونے کے باوجود اقتصادی معاشی اور سائنس و ٹیکنالوجی کے لحاظ سے پستی، اکثر اسلامی ممالک میں حکمرانوں کی عوام میں جڑیں اور خلافت کا جمہوری و شورائی نظام نہ ہونے کے باعث نفسیاتی کمزوری، مفاد پرستی، دینی بے حمیتی، ذاتی اقتدار کی خاطر بڑی طاقتوں کا کاسہ لیسی اور آلۂ کار بننے کی پالیسی، غاصب اقوام کے ظلم و جبر کے خلاف ردعمل کے طور پر حریت پسندوں اور مجاہدین کی بعض اوقات بے محل کارروائیوں اور فدائی حملوں اور مسلمان نوجوانوں میں جذبہ جہاد کی بیداری جیسی وجوہات اور سب سے بڑھ کر استبدادی استعماری اور صیہونی قوتوں کے اسلام کے خلاف مذموم عزائم کی تکمیل کے لئے مغربی میڈیا اور پریس نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اس وقت ''کلمة حق ارید بها الباطل'' کے مصداق دنیا میں نام نہاد امن قائم کرنے کے نام پر مسلمانوں کے خلاف ''مذہبی انتہا پسندی، رجعت پسندی، تشدد اور دہشت گردی'' جیسے یک طرفہ و بے بنیاد الزامات اور پروپیگنڈے کی مہم زور و شور سے شروع کر رکھی ہے۔ اس سے بھی زیادہ بڑا المیہ اور افسوس ناک امر یہ ہے کہ اکثر اسلامی حکومتوں نے ان من گھڑت الزامات کو بلا تحقیق اور بلا ادنیٰ غور و خوض اس طرح قبول کر لیا ہے اور اس طرح ''آمنا و صدقنا'' کہا ہے کہ کسی آسمانی وحی کو بھی اس طرح قبول نہ کیا ہوگا۔

بہرکیف آئندہ سطور میں زیر بحث عنوان کے حوالے سے پہلے ہم اس امر کا جائزہ لیں گے کہ مذہبی انتہا پسندی ہے کیا؟ اس کی کون کون سی صورتیں شرعی اعتبار سے ممنوع اور ناپسندیدہ ہیں اور ان کا خاتمہ ضروری ہے اور کون سی صورتوں پر غلط اطلاق کیا جا رہا ہے۔ پھر ان تمام صورتوں میں تعلیمات و ہدایات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسوۂ رسول ﷺ کیا ہے؟

علم و فن میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ثانی نہیں : (محدث ابو زرعہ)

انتہا پسندی کا معنی وسبب :

''انتہا پسندی'' کا لفظ کوئی ایسا مغلق اور مشکل لفظ نہیں جس کی تحقیق کے لئے ہمیں لمبی چوڑی بحث اور لغت کی کتابیں کھنگالنے کی ضرورت پیش آئے۔ یہ لفظ عربی اور فارسی کے دو الفاظ سے مرکب ہے۔ اس کا لفظی ولغوی معنی کسی چیز کی آخری حد اور اخیر کنارے کو انتخاب کر لینا اور چن لینا کے ہیں۔ اس حوالے سے مذہبی انتہا پسندی کا معنی یہ ہوگا کہ مذہبی عقائد واعمال اور مسائل جن کے متعدد پہلوؤں یا جن کے بارے میں کئی اقوال وآراء ہوں تو ان میں سے اپنی پسند کے ایک ہی نقطہ نظر کو اپنا لینا اور دوسرے نقطہ نظر کو غلط سمجھنا یا مذہبی اعمال واحکام اور اوامر ونواہی کو ان کے اصل درجہ وشرعی حیثیت سے گھٹا دینا یا بڑھا دینا دوسرے لفظوں میں ان کے اندر افراط وتفریط سے کام لینا۔ یا مکلفین کی قوت واستعداد اور حالات کا لحاظ کئے بغیر سب پر یکساں حکم لگانا وغیرہ۔ یہی سوچ اور طرز عمل مذہبی انتہا پسندی کا بڑا سبب ہے۔

مذہبی انتہا پسندی کی چند صورتیں

ا۔ اپنا مذہب زبردستی منوانا :

مذہبی انتہا پسندی کی ایک صورت یہ ہے کہ اپنا مذہب وعقیدہ بلا دلیل اور دوسرے آدمی کی دلی رضا ورغبت کے بغیر زبردستی اور دھونس سے اس پر ٹھونسا جائے۔ دوسرے لفظوں میں جبر واکراہ کے ذریعے دوسروں کو اپنے مذہبی افکار ونظریات اور عقائد کا قائل بنایا جائے۔ اسلام اور تعلیماتِ نبوی ﷺ میں اس قسم کی مذہبی انتہا پسندی کی قطعاً گنجائش نہیں۔ اسلام نے نہ صرف یہ کہ مذہب کی جبری اشاعت کو ناپسند کیا بلکہ اس کا فلسفہ بھی بتایا کہ مذہب زبردستی کی چیز نہیں کیونکہ اسلام میں مذہب کا اولین اور بنیادی واہم ترین جزو ایمان ہے جبکہ ایمان یقین وتصدیق قلبی کا نام ہے(۱) اور دنیا کی کوئی طاقت کسی کے دل میں یقین کا ایک ذرہ بھی بزور پیدا نہیں کر سکتی بلکہ تیز سے تیز تلوار کی نوک بھی کسی لوحِ دل پر یقین کا ایک حرف بھی نقش نہیں کر سکتی۔ عالم کی تمام قوتیں بھی اگر یہ چاہیں کہ جبر واکراہ سے کسی کے قلب کو مطمئن کر دیں تو ناممکن اور محال ہے۔ تیغ وتیر اور خنجر سے کوئی عقیدہ

☆☆☆ میں نے امام شافعی سے زیادہ کسی کو عقل والا نہیں پایا (ابو عبید) ☆☆☆

دل میں نہیں اتارا جا سکتا۔ اس لئے قرآنِ مجید میں اعلان فرمایا گیا:

"لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ." (سورۃ البقرہ:۲۵۶)

دین (کے قبول کرنے) میں کسی قسم کی کوئی زبردستی نہیں (کیونکہ) ہدایت واضح ہو چکی ہے گمراہی سے۔

دوسری جگہ فرمایا:

"وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ"

(سورۃ الکہف:۲۹)

اور (اے پیغمبر!) آپ اعلان کر دیں کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے آ چکا ہے۔ سو جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کافر رہے۔

کسی دین کو زبردستی پھیلانا اسلام کی نگاہ میں ایک ایسا فعل ہے جس سے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو اس نے بہت بلند سمجھا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

"وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعاً ط اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ٥" (سورۂ یونس:۹۹)

اور اگر تیرا پروردگار چاہتا تو روئے زمین پر جتنے بھی لوگ ہیں، سب کے سب ایمان لے آتے۔ تو (اے پیغمبر!) کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے حتیٰ کہ وہ مؤمن بن جائیں۔

اسلام میں حق کی حمایت اور باطل کی شکست کے لئے لڑنا جائز ہے۔ اور اس کے لئے خود رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں متعدد غزوات و سرایا کی مثال موجود ہے، جس سے مخالفین اور معاندین نے بزعم خویش یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ لڑائیاں صرف اس لئے لڑی گئیں کہ اسلام کو تلوار کے زور پر پھیلایا جائے۔ حالانکہ قرآنِ مجید میں ایک آیت بھی ایسی نہیں جس میں کسی کافر و غیر مسلم کو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم ہو اور نہ سیرت طیبہ سے کوئی ایسا واقعہ دکھایا جا سکتا ہے جس میں کسی کو زبردستی تلوار کے زور سے مسلمان بنایا گیا ہو، بلکہ قرآنِ مجید میں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ:

"اور اگر (لڑائی میں) مشرکین میں سے کوئی ایک آپ سے پناہ کا طالب

ہو تو اس کو پناہ دیجئے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام (قرآنِ مجید) سن لے۔
پھر اس کو اپنے امن کی جگہ پہنچا دیں۔ یہ (حکم) اس لئے ہے کہ یہ قوم لاعلم
ہے۔'' (سورۂ توبہ:٦)

یہاں یہ نہیں فرمایا گیا کہ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائے اس کو پناہ نہ دو بلکہ یہ فرمایا کہ اس کو پناہ دے کر اس کی جائے پناہ تک پہنچا دیا جائے اور اس کو کلامِ الٰہی سنایا جائے تاکہ اس کو غور و فکر کرنے کا موقع ملے۔ ظاہر ہے کہ جو مشرک اس طرح مسلمان ہوگا اس کی تبدیلیٔ مذہب کا محرک تلوار نہیں بلکہ قرآنِ مجید کی حقانیت ہوگی۔

اسلامی جہاد (جسے آج مغربی میڈیا ''دہشت گردی'' قرار دے کر اصل حقائق اور اہلِ اسلام کے خلاف اپنے ناپاک عزائم پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے) کا ایک مستقل اصول و ضابطہ اور مشہور قانون ہے کہ لڑائی سے قبل میدان جنگ میں برسرِ پیکار دشمن کے سامنے پہلے دو باتیں یا آپشن پیش کی جائیں۔ اول یہ کہ تم کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو جاؤ۔ اگر ایسا کرو تو تم دین حکومت اور عزت کے تمام حقوق میں ہمارے برابر ہو جاؤ گے اور اگر یہ بات منظور نہ ہو تو اپنے سابقہ مذہب پر قائم رہ کر ہماری سیاسی حکومت کو قبول کر لو۔ اس صورت میں تمہارے جان مال اور عزت و آبرو کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہوگی۔ اگر وہ ان دو باتوں میں سے کوئی بات قبول کر لیں تو ان سے لڑنا جائز نہیں۔

یہ قانون جو سرتاپا امن پسندی سلامت طلبی اور خونریزی سے بچنے کی آخری کوشش پر مبنی ہے، اُس کو دشمنانِ دین نے اس صورت میں پیش کیا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے لوگوں کو تلوار کے زور سے مسلمان بنانے کی تعلیم دی۔ جبکہ رحمت عالم ﷺ کا دامن اس الزام بلکہ بہتان سے یکسر پاک ہے۔(۲)

۲۔ دوسرے مذاہب کو برداشت نہ کرنا:

مذہبی انتہا پسندی کی دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے کسی مذہب وعقیدہ کو دیکھنے اور اس کے ماننے والوں کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔ اسلام اس قسم کی مذہبی انتہا پسندی کی بھی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ اس نے دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کو ان کے پسندیدہ مذہب کے عقائد و نظریات کے مطابق عبادت اور معاشرتی معاملات طے کرنے کی

صرف اجازت ہی نہیں بلکہ مشترک اور مسلمہ امور کی بنیاد پر انہیں اتحاد کی بھی دعوت دی ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

"قُلْ یٰاَھْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ ...... اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ." (آلِ عمران:۶۴)

(اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے کہ اے اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) ایسے قول کی طرف آ جاؤ جو ہمارے (مسلمانوں) اور تمہارے درمیان مشترک ہے۔ وہ یہ کہ ہم بجز اللہ کے اور کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے علاوہ پروردگار نہ ٹھہرائے۔

پھر ایک مسلمان کی اپنے مذہب وعقیدہ اور اپنے معبودِ حق کے ساتھ محبت وعقیدت اور جذباتی لگاؤ ایک فطری امر ہے۔ اس جذباتی لگاؤ کی وجہ سے بعید نہیں کہ کوئی آدمی محبتِ الٰہی اور تبلیغ اسلام کے جوش وجنون میں دوسرے مذاہب کے معبودانِ باطل اور ان کے نزدیک مقدس ہستیوں کو دشنام طرازی کرنے لگے جس کے نتیجے میں معبودانِ باطل کے پیروکار معبودِ حقیقی کی شان میں زبان درازی کے مرتکب ہوں اور یوں فرقہ وارانہ و مذہبی فسادات کا دروازہ کھل جائے۔ اس لئے سختی سے ہدایت فرمائی گئی:

"وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ." (سورۃ الانعام:۱۰۸)

اور (اے اہلِ ایمان!) دشنام نہ دو ان معبودوں کو جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ (کفر و شرک کی) حد سے گزر کر ازراہِ جہالت اللہ (جل شانہٗ) کو گالیاں بکنے لگیں۔

علاوہ ازیں دوسرے مذاہب کے انبیاء کے بارے میں ایک مسلمان کے لئے کیا عقیدہ، کیا سوچ اور کس طرح کا احترام ملحوظ رکھنا ضروری ہے؟ اس حوالے سے سید سلیمان ندوی نے متعدد آیات قرآنی سے استدلال کرتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نقطہ نظر یہ تحریر فرمایا ہے کہ:

''ایک یہودی کے لئے حضرت موسیٰ کے سوا کسی اور کو پیغمبر ماننا ضروری نہیں۔ ایک عیسائی تمام دوسرے پیغمبروں کا انکار کر کے بھی عیسائی رہ سکتا

ہے۔ ایک ہندو تمام دنیا کو ملچھ شودر اور چنڈال کہہ کر بھی پکا ہندو رہ سکتا ہے۔ ایک زردشتی تمام عالم کو بحرِ ظلمات کہہ کر بھی نورانی ہوسکتا ہے۔ اور وہ ابراہیم وموسیٰ علیہم السلام کو نعوذ باللہ جھوٹا کہہ کر بھی دینداری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ناممکن کر دیا ہے کہ کوئی ان کی پیروی کا دعویٰ کر کے ان سے پہلے کسی پیغمبر کا انکار کر سکے۔ غرض کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ دنیا کے تمام پیغمبروں کی یکساں صداقت و حقانیت راست بازی اور معصومیت کا اقرار نہ کرے۔'' (۳)

کتب الٰہی پر ایمان کی بحث میں سید موصوف لکھتے ہیں:

''یہود تورات کے سوا کچھ نہیں مانتے۔ عیسائی توراۃ کے احکام نہیں مانتے لیکن اس کی اخلاقی نصیحتوں کو قبول کرتے ہیں تاہم انجیل سے پہلے کی دوسری زبانوں اور ملکوں کی آسمانی کتابوں کی نسبت مسلمانوں کی طرح ادب اور احتیاط کا پہلو بھی اختیار نہیں کرتے، پارسی اوستا کے باہر خدا کے کلام ہونے کا شبہ بھی نہیں کر سکتے اور برہمن دیدوں کے باہر خدا کے فیضان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن قرآن پر ایمان لانے والا مجبور ہے کہ صحیفہ ابراہیم، توراۃ، زبور اور انجیل کو خدا کی کتابیں یقین کرے اور دوسری اگلی آسمانی کتابوں کو جن میں آسمانی تعلیمات کی خصوصیتیں پائی جاتی ہوں تکذیب نہ کرے کہ ان کا کتبِ الٰہی ہونا ممکن ہے۔''

پھر تھوڑا سا آگے چل کر نتیجہ اخذ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس تفصیل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم نے دنیا میں امن و امان اور مسلمانوں میں مذہبی رواداری کے پیدا کرنے میں کتنا عظیم الشان حصہ لیا ہے۔ یہی وہ نظریہ تھا جس نے مسلمانوں کو اپنے مذہبی عقائد و شرائع کی سخت پیروی کے باوجود دنیا کی دوسری قوموں کے ساتھ مشارکت اور میل جول کے لئے آمادہ کیا اور

مجوسیوں، صابیوں، یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کے ساتھ مل کر مختلف ملکوں میں ان ملکوں کے مناسب مختلف تمدنوں کی بنیاد رکھنے کی ان میں قوت کو پیدا کیا۔''(۴)

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم اقوام اور دیگر مذاہب کو کس خندہ پیشانی سے برداشت فرمایا اور کس طرح مذہب وعقیدہ کی آزادی عنایت فرمائی۔ اس کی تفصیلات کی یہاں گنجائش نہیں ہوسکتی۔ تاہم یہود و نصاریٰ کے ساتھ ہونے والی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو معاہدوں کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔ یہود مدینہ کے ساتھ معاہدۂ میثاقِ مدینہ اور اہلِ نجران کے عیسائی وفد کے ساتھ معاہدہ۔ ان معاہدوں میں دیگر انسانی و معاشرتی حقوق پر مشتمل دفعات کے علاوہ ان کے ساتھ جس مذہبی رواداری کا شاندار مظاہرہ کیا گیا اس کی نظیر پوری مذہبی تاریخ اور خود یہودیت و عیسائیت کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہ معاہدے مختلف عقائد، مذاہب، قبائل اور جماعتی وابستگی رکھنے والوں کو اعلیٰ انسانی مقاصد کی خاطر ایک نظام میں متحد کر دینے کی بے نظیر مثالیں ہیں۔

چنانچہ میثاقِ مدینہ میں یہودیوں کی مذہبی آزادی کے حوالے سے درج ذیل دفعات قابل ذکر ہیں:

- یہود کی مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔
- یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔(۵)

نامور عرب محقق اور سیرت نگار محمد حسین ہیکل نے اس معاہدہ کا جو تجزیہ کیا ہے، وہ پڑھنے کے قابل ہے:

''یہ وہ تحریری معاہدہ ہے جس کی بدولت حضرت محمد ﷺ نے آج سے چودہ سو سال قبل ایک ایسا ضابطہ انسانی معاشرہ میں قائم کیا جس سے شرکاء معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے اپنے عقیدہ و مذہب کی آزادی کا حق حاصل ہوا، انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی۔''(۶)

اسی طرح نجران کے عیسائیوں کے ساتھ نبی رحمت ﷺ نے جو تاریخی معاہدہ فرمایا اور اس میں ان کی جو مذہبی آزادی اور حقوق عنایت فرمائے، اس کی نظیر بھی مذہبی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس معاہدہ کی درج ذیل دفعات قابل ملاحظہ ہیں:

- نجران اور اس کے اطراف میں رہنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی پوری پوری ذمہ داری ہے۔
- ان کے خون، ان کے مال، ان کی ملت، ان کے گرجے، ان کے مذہبی رہنما، ان کے پادری اور ان کے موجودہ غائب کے حقوق کی ذمہ داری ہم پر ہوگی۔
- اسی طرح ہمیں یہ حق نہ ہوگا کہ ہم ان کے کسی پادری بشپ یا مذہبی رہنما کو تبدیل کریں۔ نہ ہی انہیں جنگی مہمات کے لئے جمع کیا جائے گا۔(۷)

البتہ مذہب و رائے کی اس آزادی اور برداشت کی کچھ حدود متعین ہیں۔ اگر کوئی غیر مسلم اسلامی ریاست میں ان حدود کو توڑتے ہوئے اللہ و رسول ﷺ اور شعائر اللہ کی توہین کا مرتکب ہوگا اور اسلام دشمنی سے باز نہیں آئے گا تو کعب بن اشرف اور چند دوسرے معاندین کی طرح اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔ اس وجہ سے نہیں کہ وہ غیر مسلم ہے بلکہ اس لئے کہ اس نے ان حدود کو توڑ اور اسلام دشمنی کا ارتکاب کیا ہے جیسا کہ فتح مکہ کے موقعہ پر سارے اہلِ مکہ کی معافی کے باوجود چند شیاطین اور گستاخوں کو قتل کر دیا گیا۔

اس کے برعکس آج کشمیر فلسطین عراق افغانستان وغیرہ کے مسلم علاقوں میں حریت پسندوں اور مجاہدین اسلام کی اپنے اپنے ملک و وطن پر ناجائز قبضہ اور استبدادی قوتوں کی طرف سے ان کے جائز و عام انسانی حقوق کی پامالی کے خلاف جدوجہد آزادی اور احتجاجی تحریک پر آج جس طرح مذہبی انتہا پسندی اور دہشت گردی جیسے الزامات لگائے جا رہے ہیں اور جملہ مسلمانوں کو انتہا پسند اور دہشت گرد ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی جا رہی ہے اور یہود و نصاریٰ اور دیگر استعماری طاقتوں کے حد درجہ مظالم اور ان کی مذہبی انتہا پسندی سے جس طرح چشم پوشی کی جا رہی اور ان کے ہولناک مظالم پر پردہ ڈالا جا رہا ہے، اس کو دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ:

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

مذہبی انتہا پسندی کے حوالے سے یہود و نصاریٰ اور ہندوؤں کی تاریخ دوسرے مذاہب پر ظلم و ستم قتل و غارت بربریت، سفاکیت اور چنگیزیت کی ہولناک داستانوں سے بھری پڑی ہے۔(۸) اور آج بھی کشمیر، فلسطین، افغانستان اور عرق کے نہتے اور بے قصور مسلمانوں پر لاکھوں

کسی سرزمین پر ایک حد کے نفاذ کی برکت وہاں چالیس روز نازل ہونے والی بارش کی برکت سے بہتر ہے

کروڑوں لوگوں کے احتجاج کے باوجود ظلم و بربریت کی جو داستانیں رقم کی جا رہی ہیں، وہ دنیا سے مخفی نہیں۔

۳۔ دین میں غلو:

مذہبی انتہا پسندی کی ایک خطرناک اور مہلک صورت دین میں "غلو" سے کام لینا ہے۔ "غلو" کا معنی ہے "حد سے تجاوز کرنا" (۹) اور دین میں غلو کا مطلب یہ ہے کہ اعتقاد و عمل میں دین نے جو حدود مقرر کی ہیں ان سے آگے بڑھ جائیں مثلاً انبیاء کی تعظیم کی حد یہ ہے کہ ان کو خلقِ خدا میں سب سے افضل جانے۔ اس حد سے آگے بڑھ کر انہی کو خدا یا خدا کا بیٹا کہہ دینا اعتقادی غلو ہے۔ (۱۰)

قرآن و حدیث میں اس قسم کی "مذہبی انتہا پسندی" یا "غلو فی الدین" سے بھی سختی سے منع فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ اہلِ کتاب کو مخاطب کرتے ہوئے قرآنِ مجید میں فرمایا گیا:

"یَاَھْلَ الْکِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ" (سورۃ النساء: ۱۷۱)

اے اہل کتاب دین کے معاملے میں غلو نہ کرو۔

دوسری جگہ فرمایا گیا:

"قُلْ یٰاَھْلَ الْکِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ" (سورۃ المائدہ: ۷۷)

(اے پیغمبر!) فرما دیجئے اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو۔

عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کو رسالت و بندگی کے مقام سے اُٹھا کر الوہیت کے مقام پر فائز کر دیا اور ان کی اللہ کی طرح عبادت کرنے لگے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کو بھی غلو کا مظاہرہ کرتے ہوئے معصوم بنا ڈالا اور ان کو حرام و حلال کے اختیار سے نواز دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ" (سورۃ التوبہ: ۳۱)

انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا لیا۔

یہ رب بنانا حدیث کے مطابق انکے حلال کئے کو حلال اور حرام کئے کو حرام سمجھنا تھا۔ (۱۱)
اس آیت میں اہل کتاب کو دین میں اسی غلو سے منع کیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی

☆☆☆ میں نے امام شافعی سے زیادہ کسی کو عقل والا نہیں پایا (ابو عبید) ☆☆☆

عیسائیوں کے اس غلو کے خدشہ کے پیش نظر اپنے بارے میں اپنی امت کو متنبہ فرمایا:

"لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسیٰ بن مریم فانما انا عبده فقولوا عبدالله ورسوله." (۱۲)

تم مجھے اس طرح حد سے نہ بڑھا دینا جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بڑھایا۔ میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں پس تم مجھے اس کا بندہ اور رسول ہی کہنا۔

ایک دوسری حدیث میں غلو فی الدین سے بچنے کی یوں تاکید فرمائی:

"ایاکم والغلو فی الدین فانما هلک من کان قبلکم بالغلو فی الدین." (۱۳)

دین میں غلو سے بچو کیونکہ تم سے پہلے کی امتیں دین میں غلو کے باعث ہی ہلاک ہوئیں۔

لیکن افسوس اس تنبیہ کے باوجود بھی امتِ محمدیہ کے بعض لوگ اس غلو سے محفوظ نہ رہ سکے جس میں عیسائی مبتلا ہوئے تھے۔ انھوں نے بھی اپنے پیغمبر اور صالح بندوں کو خدائی صفات سے متصف ٹھہرا دیا۔ اسی طرح فقہاء و مجتہدین کی تقلید کے مشروع معاملے میں بھی بعض غالی قسم کے مقلدین حد سے گزر گئے اور ائمہ مجتہدین کے اجتہادی اقوال و آراء کو خود ائمہ مجتہدین کی ہدایات (۱۴) کے برعکس حرف آخر اور پتھر کی لکیر ہی نہیں بلکہ قرآن و حدیث سے بھی مقدم سمجھنے لگے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے تقلید کے معاملے میں اس قسم کے غلو کا شکوہ و کرب متعدد مقامات پر ظاہر کیا ہے، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ (۱۵)

چنانچہ ایک فقیہ نے یہ کہہ کر غلو کی حد کر دی کہ:

"ہر وہ آیت جو اس طریقہ کے مخالف ہو جس پر ہمارے اصحاب میں وہ یا تو ماؤل ہے یا منسوخ اور اسی طرح جو حدیث اس قسم کی ہو، وہ ماؤل یا منسوخ ہے۔" (۱۶)

اسی طرح کے غلو کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمالیجئے:

"سماع (قوالی) کے جواز و عدم جواز کے سلسلے میں منعقدہ ایک مذاکرہ میں

معروف چشتی صوفی خواجہ نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہیؒ نے اپنے نقطہ نظر کی وضاحت میں جب ایک حدیث نبوی ﷺ بیان کرنا چاہی تو مقابل علماءِ احناف نے یہ کہہ کر سننے سے انکار کر دیا کہ ہمارے ملک میں فقہی روایات احادیث پر مقدم ہیں اور بعض نے کہا کہ ہم ان احادیث کو نہیں سننا چاہتے کیونکہ ان سے امام شافعی نے تمسک کیا ہے اور وہ ہمارے مذہب کے دشمن ہیں۔" (۱۷)

المختصر تعلیماتِ نبوی ﷺ میں اس قسم کے غلو کی قطعاً گنجائش نہیں۔

۴۔عبادات و تکالیفِ شرعیہ میں تشدد و تعمق :

تمام عبادات اور تکالیفِ شرعیہ میں تخفیف، آسانی، عدم حرج اور بقدر استطاعت تکلیف کی رعایت شریعت اسلامیہ کا اصل الاصول اور ایک امتیازی خصوصیت ہے (۱۸) یہی وجہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے عمال حکومت اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہ کو متعدد مواقع پر احکامِ شریعت کے نفاذ میں عوام الناس کے لئے آسانیاں پیدا کرنے کا حکم دیا اور دشواریاں پیدا کرنے سے منع فرمایا۔ (۱۹)

اس کے باوجود عبادات اور دیگر دینی معاملات میں تشدد اور تعمق کو اختیار کرنا بھی مذہبی انتہا پسندی کی ایک صورت ہے۔ تشدد فی الدین کا مطلب یہ ہے کہ کسی شرعی حکم کے دو پہلوؤں ایک آسان اور دوسرا اس کی نسبت مشکل۔ اب ایک جذباتی آدمی اگر ہمیشہ مشکل پہلو اختیار کرتا ہے تو یہ "تشدد فی الدین" ہے اور تعمق کے معنی ہیں کسی معاملے میں بہت گہرا چلا جانا اور تعمق فی الدین کا مطلب یہ ہوگا کہ کوئی آدمی ضرورت سے زیادہ متقف بننے کی کوشش اور اس معاملے کو خواہ مخواہ مشکل بنا دے۔ مذہبی و دینی انتہا پسندی کی یہ شکل بھی راہِ اعتدال سے ہٹی ہوئی ہے اور شرعی اعتبار سے ایک ناپسندیدہ امر ہے۔ کیونکہ یہ طرزِ عمل نبی رحمت ﷺ کے ذاتی طرز عمل اور آپ ﷺ کے فرمان کے خلاف ہے۔ چنانچہ محدثین نے آپ کا یہ عام معمول نقل کیا ہے کہ:

"ما خير رسول الله ﷺ في امرين الا اختار ايسر هما مالم يكن اثما فان كان اثما كان ابعد الناس منه." (۲۰)

رسول مقبول ﷺ کو جب بھی دو معاملات میں اختیار دیا گیا (کہ ان میں

ایک عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے کہ چاند کی فضیلت دوسرے تمام تاروں پر (سنن ابو داود و ترمذی)

سے ایک کو اختیار فرمالیں) تو آپ ﷺ نے ہمیشہ ان میں سے آسان کو اختیار فرمایا جب تک وہ گناہ نہ ہوتا۔ پھر اگر آسان معاملہ بھی گناہ کا ہوتا تو آپ ﷺ سب لوگوں سے بڑھ کر اس سے دور رہنے والے ہوتے۔

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

"من ابتلی ببلیتین فعلیه ان یختار اهونهما." (۲۱)

ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"ان الدین یسر ولن یشاد الدین احد الا غلبه فسددو و اوقاربوا ویشروا." (۲۲)

بے شک دین سراسر آسان ہے اور کوئی آدمی دین کے آسان حکم کو چھوڑ کر مشکل حکم اختیار کر کے دین کا مقابلہ کرنا چاہے گا تو دین بہرصورت اس پر غالب آ جائے گا۔ لہٰذا راہِ راست اختیار کرو۔ دین میں تشدد چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرو۔ رحمتِ خداوندی سے بشارت حاصل کرو۔

یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہ نے عبادت کے جوش میں جب اس قسم کے تشدد فی العبادت کا ارتکاب کیا تو آپ ﷺ نے سختی سے منع فرمادیا مثلاً۔

۱۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے متعلق نماز میں لمبی قرأۃ کی وجہ سے لوگوں کے لئے دشواری پیدا کرنے کی شکایت ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت معاذ سے باز پرس کرتے ہوئے فرمایا "اَفَتَّانٌ اَنْتَ" (کیا تم دین میں فتنہ کھڑا کرنا چاہتے ہو) پھر انہیں اور ہر امام کو مختصر نماز پڑھانے کی ہدایت فرمائی۔ (۲۳)

۲۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی طرز عمل کے خلاف جب ایک صحابی نے یہ عہد کیا کہ میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں عمر بھر روزہ رکھوں گا اور تیسرے نے کہا میں کبھی شادی نہ کروں گا تو یہ سن کر آپ ﷺ نے ان معاملات میں اپنے اعتدال پسندانہ طرزِ عمل کو واضح کرتے ہوئے فرمایا: "مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ" (جس نے میری سنت سے اعراض کیا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں)۔ (۲۴)

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے لگاتار روزانہ روزہ رکھنے کے مطالبے بلکہ اصرار کے باوجود انہیں "صوم داؤدؑ" سے زیادہ روزے رکھنے کی اجازت نہ دی۔ (۲۵)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حدود اللہ قریبی اور دوری تمام لوگوں پر قائم کرو ☆

۴۔ صحابہ نے آپ ﷺ کی دیکھا دیکھی صوم وصال رکھنے شروع کر دیئے تو منع فرما دیا۔(۲۶)

۵۔ عبادت کے لئے بندھی سیدہ زینب کی رسی کھلوا دی (۲۷) وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح شرعی معاملات و احکام میں احکام کی درجہ بندی (فرض واجب سنت مستحب مباح حرام مکروہ اولیٰ عدم اولیٰ وغیرہ) کا لحاظ نہ کرتے ہوئے کسی مستحب و مباح یا سنت چیز کو فرض و واجب کا درجہ دینا اور مکروہ یا عدم اولیٰ کو حرام کے درجے میں تصور کرنا بھی ناجائز، ایک قسم کی انتہا پسندی اور دین میں تنگی پیدا کرنے کے مترادف ہے۔

۵۔ اجتہادی و فروعی مسائل میں تعصب و تکفیر بازی:

شریعت کے وہ احکام جو اپنے ثبوت اور صحت کے اعتبار سے قطعی نہیں۔ جن پر دین و ایمان کا دارومدار نہیں اور ان کے بارے میں شارع علیہ السلام سے ایک سے زیادہ اور بظاہر متعارض ارشادات منقول ہیں یا قرآن وسنت میں ان کی تعبیر کے لئے ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہوں جو ایک سے زیادہ معانی کے احتمال رکھتے ہوں یا ان کی بنیاد قیاس ورائے پر رکھی گئی ہو یا پیش آمدہ ایسے جدید مسائل جن کے بارے میں کوئی نص نہ ہو تو ان کے شرعی حکم میں فقہاء و مجتہدین کے درمیان اختلاف کا پیدا ہونا ایک فطری امر اور بیدار مغزی کی علامت ہے۔ ایسا اختلاف شریعت کی نگاہ میں مذموم اور خلافِ شریعت نہیں بلکہ محمود ہے۔

اس قسم کے اختلاف کے شرعی جواز پر معروف اصولی فقیہ امام شاطبیؒ نے الموافقات جلد چہارم کتاب الاجتہاد کے ''تیسرے مسئلہ'' میں تفصیلی بحث کی ہے اور پھر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور دیگر علماء کے علاوہ مولانا مناظر احسن گیلانی نے اس اجتہادی اختلاف کے ''منشاءِ الٰہی'' اور ''مرضیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' ہونے کے ثبوت میں اپنے ''مقدمہ تدوین فقہ'' میں کوئی ڈیڑھ سو صفحات کے قریب بڑی مدلل اور سیر حاصل بحث کی ہے۔ جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ غیر منصوص مسائل اور درج بالا قسم کے احکام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان نبی رحمت ﷺ کی زندگی میں بھی اختلاف ہوا جس کی آنجناب ﷺ نے تائید فرمائی۔(۲۸) اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی سقیفہ بنی ساعدہ میں مسئلہ خلافت سے لے کر جمع قرآن، حروب ارتداد، جیش اسامہ کی روانگی، سوادِ عراق کی زمینوں کی تقسیم، یزید کے خلاف مسئلہ خروج جیسے مسائل کے پہلو بہ

پہلو، وضو طہارت، عبادات اور معاملات کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں اجتہادی و فروعی مسائل میں اختلافات سامنے آئے اور قائم رہے۔(۲۹)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہی اختلافات آگے چل کر تابعین تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے درمیان اجتہادی وفروعی مسائل میں اختلاف اور مختلف فقہی مذاہب ومسالک کی تشکیل کا سب سے بڑا سبب بنے۔(۳۰) پھر صحابہ وائمہ مجتہدین کا یہ اختلاف اور فقہی مذاہب ومسالک کی تشکیل، فقہ واجتہاد کے فروغ، اجتہادی بصیرت اور فکر ونظر کی جلاء، علماء میں استنباط واستخراجِ احکام کے ملکہ میں ترقی اور سب سے بڑھ کر امت کے لئے وسعت، آسانی، رحمت اور شریعت پر عمل درآمد کے لئے ممدومعاون ثابت ہوئے۔(۳۱)

ان اجتہاد وفروعی مسائل میں اختلاف اور مختلف فقہی مذاہب ومسالک سے تعلق کی بنیاد پر ایک دوسرے کی تضحیک تذلیل دشنام طرازی باہمی مخالفت اور بغض وعناد۔ دوسرے مسالک کی تفسیق، تکفیر، مشرک اور بدعتی کی پھبتی حتیٰ کہ ''کافر کافر'' اور ''من شک فی کفرہ فقد کفر'' کا فتویٰ بھی مذہبی انتہا پسندی کی ایک گھناؤنی صورت ہے جس نے امت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے اسے ہر حوالے سے کمزور کرنے اور امت مسلمہ کے خلاف دشمنانِ دین کی سازشوں، ریشہ دوانیوں اور خطرناک منصوبوں کی تکمیل میں ہمیشہ اہم کردار ادا کیا ہے۔اس قسم کے متعصب تشدد پسند اور انتہا پسند لوگوں کا درج بالاقسم کا نفرت انگیز رویہ نہ تو ان کے اپنے مسلک کی کوئی خدمت ہے اور نہ اسلام کی۔

دوسرے یہ طرزِ عمل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خود فقہی مسالک کے بانی ائمہ مجتہدین (جن کی طرف منسوب ہونے کا فخر سے دعویٰ کیا جاتا ہے) کی تعلیمات اور ان کے اسوۂ حسنہ کے خلاف ہے۔ یہ ائمہ مجتہدین اور ان کے براہِ راست شاگرد متعدد مسائل میں اختلاف رائے کے باوجود ایک دوسرے کی صلاحیتوں کا اعتراف، خلوص ومحبت، تعظیم وتکریم اور باہمی استفادہ کرتے نظر آتے ہیں۔(۳۲)

تیسرے ائمہ مجتہدین کا اجتہادی مسائل میں یہ اختلاف بقول علامہ زاہد الکوثری صرف ایک تہائی مسائل میں ہے جبکہ دو تہائی مسائل میں اتفاق ہے اور جس ایک تہائی میں اختلاف ہے وہ بھی جائز وناجائز کا نہیں بلکہ صرف اولیٰ وعدمِ اولیٰ کا اور اس حد تک ہے کہ ''احوط وایسر'' اور ''افضل وبہتر'' کیا ہے؟(۳۳)

چوتھے یہ مسالک اصولی و بنیادی طور پر بھی ایک ہیں(۳۴) اور شاہ ولی اللہ کے ایک کشف کے مطابق باطنی و روحانی طور پر بھی یکساں ہیں اور کسی کو دوسرے پر شرعاً کوئی فضیلت حاصل نہیں۔(۳۵)

پانچویں یہ کہ کسی کلمہ گو مسلمان کو کافر قرار دینا انتہائی نازک معاملہ ہے۔ چنانچہ فقہاء نے اس معاملے میں یہاں تک احتیاط برتی ہے کہ اگر کسی مسئلہ یا آدمی میں ننانوے وجوہ کفر کے پائے جائیں اور ایک احتمال اسلام کا مؤید ہو تو مفتی اور قاضی کے لئے اولیٰ بلکہ لازم ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے اس پر کفر کا فتویٰ نہ لگائے۔(۳۶)

ان ساری چیزوں کے باوجود بعض ناعاقبت اندیش اور مفاد پرست لوگ پہلے بھی مسلکی اختلافات میں تعصب وغلو کا شکار ہوتے رہے مثلاً ایک حنفی متشدد نے کہا:

”فلعنة ربنا اعداد رمل علی من رد قبول ابی حنیفة(۳۷)

(اس آدمی پر ریت کے ذرات کے برابر ہمارے رب کی لعنت ہو جس نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کسی قول کو رد کیا۔

اسی طرح ایک شافعی مقلد گویا ہوئے:

”جب امام شافعی سے کسی مسئلے میں دو قول منقول ہوں اور یہ نہ معلوم ہو سکے کہ ان میں سے بعد کا قول کونسا ہے؟ تو وہ قول جو امام ابوحنیفہ کی رائے کے مخالف ہو، وہ اس قول سے زیادہ راجح ہے، جو امام ابوحنیفہ کے قول کے موافق ہو۔“(۳۸)

علیٰ ہذا القیاس بعض غالی قسم کے غیر مقلدین نے قرآن و سنت کی واضح نصوص اور صحابہ و جمہور مسلمانوں کے تعامل کے برخلاف تقلید کو ”حرام“ اور تقلید کرنے والے مسلمان کو ”چوپائے کے برابر“ قرار دیا۔(۳۹) اور آج بھی اس قسم کے جذباتی نادان اور کم علم لوگ دوسرے مسالک کی مساجد پر قبضہ کر کے محراب و منبر کو اپنے فرقہ وارانہ نظریات کے پرچار کا ذریعہ اور دوسرے مسالک کی مساجد امام بارگاہوں اور عبادت گاہوں میں تخریب کاری کے ذریعے نمازیوں کو شہید کر کے اپنے مسلکی تعصب و تشدد اور غلو کا مظاہرہ اور بغض عناد کی تسکین کا سامان کر رہے ہیں۔

آج کل ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہ پڑھنا بھی اسی مسلکی تعصب کا شاخسانہ ہے جبکہ

صحابہ کرام ائمہ مجتہدین اور خیر القرون کے لوگوں کو مسائل میں ہزار باہمی اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار نہ تھا۔ کیونکہ نبی رحمت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"الصلوٰۃ واجبة علیکم خلف کل مسلم برا کان او فاجراً"(۴۰)

ہر مسلمان خواہ وہ نیک ہو یا بد، اس کے پیچھے باجماعت نماز پڑھنا تم پر واجب ہے۔

ایک اور روایت میں ارشاد نبوی م ہے:

"صلوا خلف کل من قال لا الٰہ الا اللہ وفی روایة خلف کل برو فاجر." (۴۱)

ہر کلمہ گو اور نیک و فاجر کے پیچھے نماز پڑھ لو۔

اسی طرح مسالک کی بنیاد پر مساجد کی تفریق و تقسیم حتیٰ کہ دوسرے مسلک کے لوگوں کو اپنی مسجد میں داخل نہ ہونے دینا بھی انتہائی درجے کا تعصب ہے۔ جبکہ نبی رحمت ﷺ نے مشرکین تک کو مسجد نبوی کے اندر ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ التوبہ کی آیت "انما المشرکون نجس الخ" کے تحت لکھا ہے کہ:

"ولم یکن اهل الذمة ممنوعین من هذه المواضع"

(ان مواضع یعنی مساجد میں اہل ذمہ کا داخلہ ممنوع نہیں ہے)۔

اور اس رائے کی تائید میں حضور اکرم ﷺ کے وفد قیس کو مسجد نبوی میں ٹھہرانے اور حضرت ابوسفیان کے حالت کفر میں مسجد نبوی میں داخل ہوتے رہنے سے استدلال کیا ہے۔(۴۲)

مذہبی انتہا پسندی کا غلط اطلاق

۱۔ اصولوں پر استقامت اور دینی حمیت:

اسلامی اصولوں پر مضبوطی اور پوری ہمت و جرأت سے قائم رہنا، کسی بھی قیمت پر اصولوں سے پیچھے نہ ہٹنا اور سودے بازی نہ کرنا، باطل طاغوت ظلم و ناانصافی اور دشمنانِ اسلام کے مقابلے میں ڈٹ جانا اور کفر کے سامنے اپنی دینی حمیت و غیرت کا مظاہرہ کرنا مذہبی انتہا پسندی نہیں

بلکہ شریعت محمدیہ کا مطلوب ایک مؤمن کی شایانِ شان اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے۔ اس معاملے میں لچک دکھانا، مصلحتوں کو دیکھنا، پسپائی اختیار کرنا، ذاتی مفادات کو مدنظر رکھنا، ڈر کے مارے ظالم کے سامنے کندھا پیش کر دینا اور نام نہاد دہشت گردی اور فرضی دہشت گردوں کے خلاف کارروائی کے نام پر غریب ممالک پر کھلم کھلا ظلم و بربریت میں طاغوتی قوتوں کے ساتھ تعاون کرنا، رواداری اور روشن خیالی نہیں بلکہ دینی بے حمیتی، بزدلی اور جرم ضعیفی ہے۔ جس سے متنبہ کرتے ہوئے شاعرِ مشرق رحمۃ اللہ علیہ نے برسوں پہلے بتایا تھا۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
کہ ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

اللہ کریم نے تعریفی و توصیفی انداز میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ امتیازی وصف بتایا ہے کہ:

"والذین معه اشداء علی الکفار"

اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ہیں، کفار پر سخت ہیں۔ (سورۃ الفتح:۲۹)

کفار پر اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ کافروں کے ساتھ درشتی اور تندخوئی سے پیش آتے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے ایمان کی پختگی اصول کی مضبوطی سیرت کی طاقت اور ایمان کی فراست کی وجہ سے کفار کے مقابلے میں پتھر کی چٹان کا حکم رکھتے ہیں۔ وہ موم کی ناک نہیں ہیں کہ انہیں کافر جدھر چاہیں موڑ لیں، وہ نرم چارہ نہیں کہ کافر انہیں آسانی کے ساتھ چبا جائیں۔ انہیں کسی خوف سے دبایا نہیں جا سکتا۔ انہیں کسی ترغیب سے خریدا نہیں جا سکتا۔ کافروں میں یہ طاقت نہیں کہ انہیں اس مقصدِ عظیم سے ہٹا دیں جس کے لئے وہ سر دھڑ کی آواز لگا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے کے لئے اُٹھے ہیں۔ (۴۳)

ایک دوسری آیت میں اللہ کریم نے اہل ارتداد کے مقابلے میں اپنے پسندیدہ لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کا یہ وصف بیان فرمایا کہ:

"اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ" (سورۃ المائدہ:۵۴)

(ایمان والوں پر وہ مہربان ہونگے اور کافروں کے مقابلے میں سخت ہوں گے)

اس آیت کی تفسیر میں مولانا مودودی نے لکھا ہے:

☆ ایسا عمل جو شرعاً ثابت ہو وہ مقدم ہوتا ہے ایسے عمل پر جو شرط سے ثابت ہو ☆

''مؤمنوں پر نرم'' ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اہلِ ایمان کے مقابلے میں اپنی طاقت کبھی استعمال نہ کرے، اس کی ذہانت، اس کی ہوشیاری، اس کی قابلیت، اس کا اثر و رسوخ، اس کا مال، اس کا جسمانی زور، کوئی چیز بھی مسلمانوں کو دبانے اور ستانے اور نقصان پہنچانے کے لئے نہ ہو۔ مسلمان اپنے درمیان اس کو ہمیشہ ایک نرم خو رحم دل ہمدرد اور حلیم انسان پائیں۔

''کفار پر سخت'' ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک مؤمن آدمی اپنے ایمان کی پختگی، دینداری کے خلوص اصول کی مضبوطی، سیرت کی طاقت اور ایمان کی فراست کی وجہ سے مخالفین اسلام کے مقابلہ میں پتھر کی چٹان کے مانند ہو کہ کسی طرح اپنے مقام سے ہٹایا نہ جا سکے۔ وہ اسے کبھی موم کی ناک اور نرم چارہ نہ پائیں۔ انہیں جب بھی اس سے سابقہ پیش آئے ان پر ثابت ہو جائے کہ یہ اللہ کا بندہ مر سکتا ہے مگر کسی قیمت پر بک نہیں سکتا اور کسی دباؤ سے دب نہیں سکتا۔ (۴۴)

علاوہ ازیں قرآنِ مجید میں درج انبیاء علیہم السلام کے واقعات میں امت مسلمہ کے لئے عبرت و نصیحت کا جہاں اور بہت سارا سامان ہے وہاں کفر و شرک اور باطل و طاغوت کے سامنے ڈٹ جانے اور پتھر کی چٹان کی طرح کھڑے ہو جانے کا بھی سبق ملتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک سارے انبیاء علیہم السلام کی زندگیاں اولو العزمی اور استقامت سے عبارت ہیں۔ ساری قوم ساری طاقتیں پورا معاشرہ اور حکومت ایک طرف ہوتی ہے اور پیغمبر میدانِ حق میں اکیلا کھڑا ہوتا ہے مگر اس کے پائے ثبات میں ذرہ بھر لغزش نہیں آتی۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام باطل کے سامنے پورے قد سے کھڑے ہو کر ببانگ دہل اعلان کرتے ہیں۔

ترجمہ: ''اے میری قوم اگر تم کو میرا رہنا اور احکامِ خداوندی کی نصیحت کرنا بھاری معلوم ہوتا ہے تو (ہوا کرے) میرا خدا ہی پر بھروسہ ہے۔ سو تم اپنی تدابیر (جو کچھ کر سکو) مع اپنے شرکاء کے پختہ کر لو۔ پھر تمہاری وہ تدبیر تمہاری گھٹن کا باعث نہ ہونا چاہیے (یعنی جو کچھ تدبیر کرو کھل کر کرو۔ میرا لحاظ نہ کرو) پھر میرے ساتھ (جو کچھ کرنا ہے) کر گزرو اور مجھ کو (ذرا) مہلت نہ دو (حاصل یہ کہ میں تمہاری ان باتوں سے نہ ڈرتا ہوں اور نہ تبلیغ سے رک سکتا ہوں)'' (سورۃ یونس: ۷۱)

اسی طرح سورۂ ہود کی آیت نمبر ۵۴ ۔ ۵۵ میں حضرت ہود علیہ السلام کا مخالف قوم کے سامنے اسی طرح کا دوٹوک اعلان بھی ایمان تازہ کر دینے والا ہے۔

اور پھر سلسلۂ نبوت کی سب سے آخری اور زریں و نورانی کڑی سیدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء نے باطل اور مخالفتوں و اذیتوں کے ایک سیلاب کے مقابلے میں جس استقامت اور پامردی کا مظاہرہ فرمایا اس کی نظیر آسمان کی آنکھ نے نہ کبھی پہلے دیکھی تھی اور نہ قیامت تک دیکھ سکے گا۔ مکہ مکرمہ بلکہ پورے عرب کے کفرستان میں ایک شخص تنہا کھڑا ہوتا ہے: بے یارومددگار دعوتِ حق کی صدائیں بلند کرتا ہے۔ ریگستان کا ذرہ ذرہ اس کی مخالفت میں پہاڑ بن کر سامنے آتا ہے لیکن وقارِ نبوت اور عزمِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹھوکر کھا کر پیچھے ہٹ جاتا ہے اور مخالفین کی تمام قوت بالآخر اس کے سامنے ڈھیر ہو جاتی ہے۔ کون سا ایسا خوف ہے جس کے ذریعے آپ ﷺ کو ڈرایا نہیں گیا؟ کونسی ایسی اذیت ہے جو آپ ﷺ کو نہیں پہنچائی گئی؟ تذلیل وتحقیر کی کونسی ایسی صورت ہے جس سے اس معصوم اور ''بعد از خدا بزرگ توئی'' ذات ﷺ کو واسطہ نہیں پڑا؟ وہ کون سا حربہ ہے جو آنجناب ﷺ کو راہِ حق سے ہٹانے کے لئے استعمال نہیں کیا گیا؟ کون سا ایسا کیچڑ ہے جو آپ ﷺ پر اچھالا نہیں گیا؟ اور کونسی طاقت ہے جو آپ ﷺ کے لئے استعمال نہیں کی گئی۔ لیکن دنیا گواہ ہے کہ آپ کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہ آئی۔ غزوہ حنین میں تیروں کی بوچھاڑ کے دوران جب مجاہدین اسلام کے قدم اکھڑ گئے تھے آپ نے اس ہولناک اور مرعوب کن وقت میں بھی پوری جرأت و استقلال سے اعلان فرمایا۔

''انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب.'' (۴۵)

(میں پیغمبر صادق ہوں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں یعنی کوئی بزدل آدمی نہیں ہوں کہ میدان چھوڑ کر بھاگ جاؤں گا)۔

ایک آدمی جب ایمان و اسلام کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کے لئے آخر ایمانی غیرت و وقار کو قائم رکھنا اور دینی حمیت و خودداری کا مظاہرہ کرنا بھی کوئی چیز ہے کہ نہیں؟ جب کوئی فاتح یا طاقتور یہ کہے کہ ''ہبل جیت گیا اور (العیاذ باللہ) محمد کا خدا ہار گیا'' تو اس وقت ایمانی غیرت کا تقاضا ہے کہ اس گستاخی کا جواب دیا جائے۔ (۴۶)

اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور ﷺ اور کفار مکہ کے درمیان طے پانے والی شرائط

پر حضرت عمر جس پریشانی کا مظاہرہ فرما رہے تھے یا ان شرائط پر اعتراض کرنے کی جو انہیں جرأت ہوئی تھی تو اسی ایمان غیرت کا جذبہ ان کے اندر کام کر رہا تھا۔ ورنہ پیغمبر کے کسی کام پر اعتراض کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔(۴۷)

المختصر اصولوں پر سودے بازی نہ کرنا باطل و طاغوت اور استبداد و ظلم کے خلاف ڈٹ جانا اور سر دھڑ کی بازی لگا دینا مذہبی انتہا پسندی نہیں بلکہ دنیا میں عزت و وقار سے جینے کا راز اور ایمانی غیرت وحمیت کا لازمی تقاضا ہے۔ قرآنی تعلیم کے مطابق انسان کی سب سے بڑی ذلت یہ ہے کہ وہ اپنے عیش و آرام، مال و دولت، حکومت و اقتدار اور اہل وعیال کی محبت میں گرفتار ہو کر حفاظتِ حق کی سختیوں سے ڈرنے لگے اور باطل کو طاقتور دیکھ کر اس کی غلامی قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔

۲۔ ظلم کے خلاف جدوجہد:

ظلم کے خلاف اور اپنی مذہبی آزادی وخود مختاری اور جائز انسانی حقوق کے لئے جدوجہد کرنا اور ظالم و غاصب قوتوں کے خلاف جنگ کرنا مذہبی انتہا پسندی نہیں بلکہ شریعت کا حکم ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

ترجمہ: ''جن لوگوں سے جنگ کی جا رہی ہے انھیں لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم ہوا ہے اور اللہ ان کی مدد پر یقیناً قدرت رکھتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے بے قصور نکالے گئے ہیں۔ ان کا قصور صرف یہ تھا کہ یہ اللہ کو اپنا پروردگار کہتے تھے۔'' (سورۃ الحج: ۳۹۔۴۰)

بعض مفسرین (۴۸) کے نزدیک یہ قرآنِ مجید کی پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو تلوار اُٹھانے اور جنگ وقتال کرنے کی اجازت دی گئی۔ اس میں قابل توجہ یہ نکتہ ہے کہ جن لوگوں کے خلاف جنگ کا حکم دیا گیا ہے ان کا قصور یہ نہیں بتایا گیا کہ ان کے پاس ایک زرخیز ملک ہے، وسائل معیشت ہیں یا وہ تجارت کی ایک منڈی ہیں یا وہ کسی دوسرے مذہب کے پیروکار ہیں بلکہ ان کا جرم یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ظلم کرتے ہیں۔ لوگوں کو بے قصور ان کے گھروں سے نکالتے ہیں اور اس قدر متعصب ہیں کہ محض اللہ کو پروردگار کہنے پر اہل اسلام کو تکلیفیں پہنچاتے اور مصیبتوں کے پہاڑ توڑتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے خلاف اپنی مدافعت میں جنگ ہی کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ اس طرح کے

دوسرے مظلوموں کی اعانت وحمایت کا بھی حکم دیا گیا ہے اور تاکید کی گئی ہے کہ کمزور و بے بس لوگوں کو ظالم کے پنجہ سے آزاد کراؤ۔ چنانچہ سورۃ النساء میں فرمایا گیا:

ترجمہ: اور (اے اہلِ ایمان) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ کی میں ان کمزور مردوں عورتوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اس بستی سے نکالنے کا کوئی انتظام فرما جہاں کے لوگ بڑے ظالم و جفاکار ہیں اور ہمارے لئے خاص اپنی طرف سے کوئی دوست اور مددگار مقرر فرما۔ (سورۃ النساء: ۷۵)

جبکہ بعض مفسرین کے نزدیک سب سے پہلی آیت جس میں مسلمانوں کو کفار کے خلاف جنگ کی اجازت دی گئی، یہ آیت ہے:

ترجمہ: ''اور (اے مسلمانو!) اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھ جاؤ کیونکہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا اور ان کو مارو جہاں پاؤ اور ان کو نکالو جہاں سے انھوں نے تم کو نکالا ہے کیونکہ فتنہ قتل سے زیادہ بری چیز ہے۔'' (سورۃ البقرہ: ۱۹۰۔۱۹۱)

درج بالا سورۃ الحج اور سورۃ البقرہ کی آیات قتال سے حسب ذیل احکام نکلتے ہیں:

۱۔ جب مسلمانوں سے جنگ کی جائے اور ان پر ظلم وستم کیا جائے تو ان کے لئے مدافعت میں جنگ کرنا جائز ہے۔

۲۔ جو لوگ مسلمانوں کے گھر بار چھینیں، ان کے حقوق سلب کریں اور انھیں ان کی ملکیتوں سے بے دخل کریں ان کے ساتھ مسلمانوں کو جنگ کرنی چاہئے۔

۳۔ جب مسلمانوں پر ان کے مذہبی عقائد کے باعث تشدد کیا جائے اور انہیں محض اس لئے ستایا جائے کہ وہ مسلمان ہیں تو ان کے لئے اپنی مذہبی آزادی کی خاطر جنگ کرنا جائز ہے۔

۴۔ دشمن غلبہ کر کے جس سرزمین سے مسلمانوں کو نکال دے یا مسلمانوں کے اقتدار کو وہاں سے مٹا دے، اسے دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور جب کبھی مسلمانوں کو طاقت حاصل ہو تو انہیں ان تمام مقامات سے دشمن کو نکال دینا چاہئے جہاں سے اس نے مسلمانوں کو نکالا ہے۔ (۴۹)

درج بالا آیات اور ان سے مستنبط ہونے والے احکام سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت مقبوضہ کشمیر، فلسطین، افغانستان، عراق اور دیگر مقبوضہ اسلامی علاقوں میں حریت پسند اور مجاہدین اپنے جائز ملکیتی علاقوں کی آزادی و خودمختاری، وہاں سے غاصب و ظالم غیرملکی افواج کے اخراج اور اپنی ذاتی و مذہبی آزادی کے لئے اپنے دستیاب وسائل کے اندر جو جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس پر دہشت گردی یا مذہبی انتہا پسندی کا لیبل چسپاں کرنا ہر اعتبار سے غلط ہے اور صریحاً ناانصافی ہے۔ اقوام متحدہ جیسا ارادہ ان کو آزادی دلانے میں بے بس ہے۔ تمام اسلامی ممالک نے ان پر ہونے والے مظالم پر آنکھیں بند کر رکھی ہیں اور کوئی ملک ان کے حق میں آواز اُٹھانے کے لئے تیار نہیں تو وہ بے چارے فدائی حملے کر کے احتجاج نہ کریں تو کیا کریں؟

خلاصۂ بحث:

درج بالا بحث اور ساری تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ اپنا مذہب و عقیدہ اور نظریات زبردستی دوسروں سے منوانا مذہبی انتہا پسندی ہے۔ جس کی اسلام میں قطعاً گنجائش نہیں۔

۲۔ دوسرے مذاہب و عقائد اور ان کے پیروکاروں کو برداشت نہ کرنا اور اپنے مذہب کے مطابق ان کو جینے اور عبادات کرنے کا حق نہ دینا بھی مذہبی انتہا پسندی ہے۔ جو تعلیمات نبوی ﷺ اور اسوۂ رسول ﷺ کے بالکل برعکس ہے۔

۳۔ شریعت کے غیر اساسی احکام، اجتہادی و فروعی مسائل اور مختلف فقہی، مذاہب و مسائل میں صرف اپنے ہی مسلک اور اپنے ہی نقطہ نظر کو حق و صواب سمجھ کر دوسرے مسلک اور نقطۂ ہائے نظر کی تغلیط بلکہ تفسیق و تکفیر ان کے حاملین کی تذلیل و تحقیر اور کافر مشرک اور بدعتی کے فتوے اور دوسرے مسالک کی مساجد و عبادت گاہوں میں تخریب کاری اور قبضہ کی کوشش بھی مذہبی انتہا پسندی کے زمرے میں آتی ہے جو تعلیماتِ نبوی ﷺ اور نبی رحمت ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ مجتہدین کے اسوہ کے خلاف ہے۔

۴۔ مذہبی عبادات احکام اور اوامر و نواہی میں غلو سے کام لینا اور ان کے حکم میں افراط و تفریط سے کام لینا بھی مذہبی انتہا پسندی ہے۔

کسی سرزمین پر ایک حد کے نفاذ کی برکت وہاں چالیس روز نازل ہونے والی بارش کی برکت سے بہتر ہے

۵۔ باطل اور ظلم و عدوان کے خلاف ڈٹ جانا ثابت قدم رہنا دینی حمیت کا مظاہرہ کرنا کسی قسم کی سودے بازی پر تیار نہ ہونا اور ظالم کے ساتھ تعاون نہ کرنا مذہبی انتہا پسندی نہیں بلکہ تعلیمات نبویہ کا مطلوب، مؤمن کی امتیازی شان اور دنیا میں عزت و وقار سے جینے کا راز ہے۔

۶۔ ظالم و غاصب قوتوں کے خلاف اپنے ملک کی آزادی و خودمختاری مذہبی آزادی و ذاتی حقوق کے حصول کے لئے مقدور بھر جدوجہد کرنا بھی مذہبی انتہا پسندی نہیں بلکہ شریعت کا حکم ہے۔

تجاویز:

آخر میں مذہبی انتہا پسندی کے رجحان کے خاتمہ کے لئے درج ذیل تجاویز پر عمل درآمد کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری ہے۔

۱۔ مذہبی انتہا پسندی کے متعدد اسباب میں سے ایک بڑا سبب جس کے باعث انتہا پسندی کی کئی شکلیں جنم لیتی ہیں (جن کی تفصیل کا یہ مقالہ متحمل نہیں ہوسکتا) اور جسے ''ام الاسباب'' بھی قرار دیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا، کم علمی، کم فہمی، ناقص العلمی، دینی بے بصیرتی اور فقہی مسائل میں گہرائی، گیرائی وسعت نظر اور رسوخ فی العلم کا نہ ہونا ہے۔ ہمارے وطن عزیز میں مذہبی انتہا پسندی، مذہبی تعصب و تنافر اور عقائد و اعمال اور عبادات و معاملات میں غلو کے واقعات میں زیادہ تر ہاتھ اسی کم علمی اور ناقص العلمی کا ہے۔ لہٰذا دینی مدارس کو اس بات پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ وہاں سے علوم دینیہ خصوصاً قرآن و حدیث اور فقہ و اجتہاد میں گہری بصیرت اور رسوخ کے حامل علماء پیدا ہوں۔

۲۔ ملک بھر کی مساجد انتظامیہ کی ریڈیو، ٹی وی، اخبارات اور مقامی نمائندوں کی معرفت اس بات کی اہمیت سے آگاہ کیا جائے کہ ائمہ و خطباء کے تقرر میں باقاعدہ فارغ التحصیل اور قرآن و حدیث اور فقہی مسائل پر نظر رکھنے والے علماء کا تقرر کتنا ضروری ہے۔

۳۔ مذہبی محافل اور تقاریب میں مذہبی تنفر پھیلانے والے قصہ خواں، واعظوں، شعلہ بیان مقررین اور پیشہ ور نعت خوانوں کو بلانے اور ان پر نوٹ نچھاور کرنے کی بجائے محقق اہل علم کو بلانے، انُ کی علمی و تحقیقی گفتگو سننے اور ہر طرح ان کی حوصلہ افزائی کرنے کا سامعین کو عادی بنایا جائے۔

۴۔ سیاسی مفادات کیلئے فرقہ وارانہ تنظیموں اور ان کے قائدین کی سرکاری سطح پر عزت افزائی اور پروٹوکول کا سلسلہ بند کیا جائے اور مختلف حکومتی حیلوں سے انہیں نوازنے کا سلسلہ روکا جائے۔

۵۔ مساجد میں اذان اور عربی خطبہ کے علاوہ اسپیکر کے استعمال پر پابند کے قانون کو مؤثر بنایا جائے اور خلاف ورزی کرنے والے خطیبوں اور واعظوں کو قرار واقعی سزا دی جائے۔

٦۔ مختلف مکاتب فکر اور مسالک کے علماء و مشائخ اپنے اپنے معتقدین و مریدین کو دوسرے مسالک کے علماء کے بارے میں تقریر وتحریر کے اندر ناشائستہ، بازاری اور توہین آمیز زبان استعمال کرنے سے سختی سے روکیں اور ایسے غالی قسم کے معتقدین سے لاتعلقی کا اظہار کریں۔

۷۔ حکومت کی طرف سے مذہبی مسائل و معاملات اور مذہبی مدارس میں بے جا مداخلت بھی مذہبی انتہا پسندی کا ذریعہ بنتی ہے۔لہٰذا اس سے بھی گریز ضروری ہے۔

۸۔ مذہبی انتہا پسندی کا ایک داعیہ اسلامی حکومتوں کا طاغوتی اور ظالم و غاصب طاقتوں سے ساتھ دوستی کی پینگیں چڑھانا اور ظلم وستم میں ہر ممکن تعاون کرنا بھی ہے۔لہذا ضروری ہے کہ اسلامی حکومتیں اپنی اس بزدلانہ اور مسلم کش پالیسی پر نظر ثانی کریں۔

۹۔ ریڈیو، ٹی وی پر "رحماء بینهم" کے عنوان سے ایک پروگرام کا اجراء بھی بڑا مفید ثابت ہو سکتا ہے جس میں صحابہ ﷺ، ائمہ مجتہدین اور پچھلی صدیوں کے مختلف مسالک کے علماء اور مختلف سلاسل طریقت کے صوفیاء کے باہمی احترام وتکریم کے واقعات بتائے جائیں۔

۱۰۔ مساجد کے نام کے ساتھ کسی مسلک کا نام لکھے جانے پر پابندی لگائی جائے۔

حوالہ جات

۱۔ بخاری، محمد بن اسماعیل: الجامع الصحیح (کتاب الایمان، حواشی) طبع کلاں کراچی، ج ۱، ص ۵۔

۲۔ مزید تفصیل اور دلائل کے لئے دیکھئے:

(الف) صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں موجود "کتاب الجہاد والسیر"

(ب) ابوالاعلیٰ مودودی: الجہاد فی الاسلام (باب چہارم بعنوان اشاعت اسلام اور تلوار) اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص ۱۵۳ تا ۱۷۵۔

۳۔ شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی: سیرۃ النبی: الفیصل اردو بازار، لاہور ۱۹۹۱ء ۴: ۳۱۱۔

الحدود تدرء بالشبهات ☆ حدود شبہات سے ساقط کردی جاتی ہیں

۴۔ ایضاً۔ص ۳۲۰۔۳۲۱۔

۵۔ شبلی نعمانی: م د۔ ج ۱،ص ۱۸۴۔

۶۔ محمد حسین ہیکل: حیاۃ محمد، مطبعۃ النہضۃ العصریہ، القاہرہ ۱۹۴۷ء ص ۲۲۷۔

۷۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

(الف) ابو داؤد سلیمان بن اشعث، سنن کتاب الخراج باب اخذ الجزیہ، طبع کلاں کراچی، ج ۲،ص ۴۳۱۔

(ب) البلاذری: فتوح البلدان، دار النشر القاہرہ، ۱۹۵۷ء، ص ۷۲۔

(ج) ڈاکٹر محمد حمید اللہ: الوثائق السیاسۃ مطبع الجنۃ التالیف والترجمہ القاہرہ ۱۹۴۱ء، ص ۸۰، ۸۱

۸۔ مودودی: الجہاد فی السلام، ص ۲۰۷۔

۹۔ راغب اصفہانی المفردات، نور محمد کراچی، ص ۳۶۵۔

۱۰۔ مفتی محمد شفیع: معارف القرآن، ادارۃ المعارف کراچی، ج ۳، ص ۲۱۸۔

۱۱۔ ابوعیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی (ابواب التفسیر، سورۃ توبہ) طبع کلاں نور محمد کراچی، ص ۴۴۱

۱۲۔ امام بخاری: الجامع الصحیح، کتاب الانبیاء، ج ۱، ص ۴۹۰۔

۱۳۔ احمد بن حنبل: مسند، طبع قدیم مصر، ج ۱، ص ۲۱۵۔

۱۴۔ دیکھئے:

(الف) شاطبی، الاعتصام، مکتبہ التجاریۃ الکبریٰ مصرت۔ن۔ ج ۲، ص ۳۴۶۔

(ب) ابن عابدین شامی: شرح عقود رسم المفتی (رسائل ابن عابدین) سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۳۹۶ھ، ص ۶۲۴۔

(ج) شاہ ولی اللہ: عقد الجید، ص ۴۸۔۴۹۔

۱۵۔ تفصیل کے لئے دیکھئے:

(الف) شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ (اردو ترجمہ) قومی کتب خانہ لاہور، ۱۹۹۱ء ج ۱، ص ۶۸۸۔۶۹۰۔

(ب) شاہ ولی اللہ: الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (اردو) علماء اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۱ھ، ص ۹۳، نیز ص ۸۶۔

(ج) شاہ ولی اللہ: عقد الجید، ص ۴۸۔ ۴۹۔

(د) شاہ ولی اللہ: التفہیمات الالٰہیہ، شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ، ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء ج ۱، ص ۲۰۶۔

۱۶۔ شیخ محمد خضری: تاریخ التشریع الاسلامی (اردو ترجمہ) نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد ت۔ ن، ص ۴۲۱۔

۱۷۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

(الف) پروفیسر خلیق احمد نظامی: تاریخ مشائخ چشت، ادارہ ادبیات دلی، ۱۹۸۰ء ج ۱، ص ۴۲۴۔ ۴۲۵۔

(ب) ڈاکٹر مظہر بقا: اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد (اشاعت اول) ۱۹۷۳ء ص ۱۷۔

۱۸۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

(الف) سورۃ البقرۃ: ۱۵۸/ سورۃ المائدہ: ۶/ سورۃ الحج: ۴۸/ سورۃ البقرہ: ۲۸۶/ سورۃ الطلاق: ۷۔

(ب) بخاری: م ن (کتب الایمان باب الدین یسر) طبع کلاں کراچی، ج ۱، ص ۱۰۔

(ج) ابن کثیر، ابوالفدا اسماعیل: تفسیر القرآن العظیم، سہیل اکیڈمی لاہور، ج ۱، ص ۲۱۷۔

(د) ابوبکر جصاص: احکام القرآن مطبعۃ البہیہ مصر، ج ۱، ص ۲۲۳۔

۱۹۔ تفصیل کے لئے دیکھئے:

(الف) بخاری: الجامع الصحیح (کتاب الادب باب قول النبی یسروا ولا تعسروا) ج ۲، ص ۹۰۴: کتاب المغازی، ج ۲، ص ۶۲۲۔

(ب) ابوداؤد: سنن (کتاب الادب باب فی کراہیۃ المراء) ج ۲، ص ۶۶۴۔ ۶۶۵۔

۲۰۔ بخاری: الجامع الصحیح (کتاب الادب باب قول النبی یسروا ولا تعسروا) ج ۲، ص ۹۰۴، نیز کتاب المناقب، ج ۱، ص ۵۰۳۔

(ب) مسلم بن حجاج قشیری: الجامع الصحیح مع نووی (کتاب الفضائل باب مباعدۃ للآثام واختیارہ من المباح) طبع کلاں کراچی، ج ۲، ص ۲۵۶۔

کسی سرزمین پر ایک حد کے نفاذ کی برکت وہاں چالیس روز نازل ہونے والی بارش کی برکت سے بہتر ہے

(ج) ابو داؤد: سنن، (کتاب الادب باب فی العفو والتجاوز) ج ۲، ص ۶۶۰۔

۲۱۔ الکاسانی: بدائع الصنائع (اردو ترجمہ دیال سنگھ لائبریری لاہور، ج ۱، ص ۴۰۶۔

۲۲۔ بخاری: م ن، (کتاب الایمان) ج ۱، ص ۱۰۔

۲۳۔ تفصیل کے لئے دیکھئے:

(الف) بخاری: م ن، (کتاب الاذان) ج ۱، ص ۹۷-۹۸

(ب) مسلم: م ن، (کتاب الصلوٰۃ باب امر الائمہ، تخفیف الصلوٰۃ) ج ۱، ص ۱۸۸۔

(ج) ابو داؤد: م ن، (کتاب الصلوٰۃ باب امر الائمہ، تخفیف الصلوٰۃ) ج ۱، ص ۱۱۵۔

۲۴۔ دیکھئے:

(الف) بخاری: م ن، (کتاب النکاح پہلا باب) ج ۲، ص ۷۵۷۔

(ب) ابن سعد: الطبقات الکبریٰ، بیروت ۱۹۶۰ء ج ۱، ص ۳۷۱-۳۷۲۔

۲۵۔ دیکھئے:

(الف) بخاری، م ن، (کتاب الصوم، باب صوم الدھر) ج ۱، ص ۲۶۵۔

(ب) بخاری، م ن، (کتاب النکاح) ج ۲، ص ۷۸۳۔

(ج) ابو داؤد: م ن، (کتاب الصیام باب فی صوم الدھر تطوعاً) ج ۱، ص ۳۲۹-۳۳۰۔

۲۶۔ ملاحظہ ہو:

(الف) بخاری: م ن، کتاب الصوم، باب الوصال، ج ۱، ص ۲۶۳۔

(ب) مسلم: م ن، (کتاب الصیام باب النھی عن الوصال)، ج ۱، ص ۳۵۲-۳۵۳۔

۲۷۔ نووی، یحییٰ بن شرف: ریاض الصالحین، باب فی الاقتصاد فی الطاعۃ، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ۱۹۸۱ء ص ۷۸۔

۲۸۔ دیکھئے:

(الف) بخاری: م ن، (کتاب المغازی، باب مرجع النبی من الاحزاب) ج ۲، ص ۵۹۱۔

(ب) نسائی احمد بن شعیب: سنن، (باب فی من لم یجد لاماء ولا الصعید) نور محمد کراچی، ج ۱، ص ۳۵۔

۲۹۔ ابن عبدالبر: جامع البیان العلم وفضلہ، مکتبہ علمیہ مدینہ منورہ، ج ۲، ص ۸۳-۸۴

۳۰۔ دیکھئے:

(الف) شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱، ص ۶۵۷۔۶۵۸۔

(ب) شاہ ولی اللہ: الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، ص ۱۴۔

۳۱۔ ملاحظہ ہو:

(الف) شاطبی: الموافقات (کتاب الاجتهاد المسئلة الثالثه) مطبعۃ السّلفیہ، مصر ۱۳۴۱ھ، ج ۴، ص ۶۶۔

(ب) ابن عبدالبر: م ن، (اردو ترجمہ) دہلی، ص ۱۷۰۔۱۷۱

(ج) ابن عابدین شامی: ردالمحتار علی الدر المختار، المصطفیٰ البابی مصر ۱۳۸۶ھ، ج ۱، ص ۶۸

۳۲۔ ملاحظہ ہو:

(الف) شیخ محمد خضری: م ن، ص ۴۴۵۔

(ب) زرقا: ڈاکٹر مصطفیٰ احمد: ماہنامہ چراغِ راہ کراچی ''اسلامی قانون نمبر'' ج ۱، ص ۳۶۴۔

۳۳۔ دیکھئے:

(الف) زاہد الکوثری: مقالات الکوثری، سعید کمپنی۔

(ب) مناظر احسن گیلانی: مقدمہ تدوین فقہ، مکتبہ رشیدیہ لاہور، ص ۱۲۳۔

۳۴۔ دیکھئے:

(الف) خضری: م ن، ص ۴۲۹ ومابعد۔

(ب) ڈاکٹر صبحی محمصانی: فلسفت التشریع الاسلامی، (اردو ترجمہ) مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۶ء ص ۴۱ تا ۶۹۔

۳۵۔ دیکھئے:

(الف) شاہ ولی اللہ: فیوض الحرمین، (مشہد نمبر ۱۰)، قرآن محل کراچی، ص ۹۰۔۹۱۔

(ب) شاہ ولی اللہ: التفہیمات الالٰہیہ، (مبشرہ نمبر ۱۰) شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ، ۱۳۹۰ھ، ج ۲، ص ۳۹۱۔

۳۶۔ دیکھئے:

(الف) ابن نجیم حنفی: البحرالرائق، دارالکتب العربیہ بیروت، ج ۵، ص ۱۲۴۔

فرض وہ امر ہے جس کے کرنے کا لازمی مطالبہ کسی دلیل قطعی سے ثابت ہو (اصول فقہ)